تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن))

(۱۷)

میرا خیال ہے کہ کوفہ آجانے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی کچھ اسی قسم کے حالات سے سابقہ پڑا، مدینہ منورہ میں جب تک تھے تو وہاں ان کے زمانے تک صحابیوں ہی کی کثرت تھی جس کا مطلب یہی ہوا کہ نہ پوچھنے والوں ہی کی وہاں اتنی کثرت تھی، اور نہ بتانے والوں کی اتنی کمی تھی جو کیفیت مدینہ منورہ کے سوا دوسرے مقامات کی پائی جاتی تھی یا اس کو پایا جانا چاہئے تھا ما سوا اس کے بارگاہ نبوت میں قرب و نزدیکی کے جو مواقع مختلف وجوہ سے مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل تھے ظاہر ہے کہ یہ ان ہی کی خصوصیت تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں تقلیل فی الروایۃ (یعنی حدیثوں کے بیان کرنے میں زیادتی سے پرہیز) اس اصول کی آپ نے بھی پابندی کی لیکن زیادہ دن یہ چیز آپ کے عہد میں معلوم ہوتا ہے کہ نبھ نہ سکی آخر میں پوچھتا ہوں کہ ایک طرف آپ ہی کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ تلوار کے نیام والے صحیفہ کی حدیثوں کے دکھانے پر بھی آمادہ نہ تھے لیکن اصرار لوگوں کا حد سے جب زیادہ گذر گیا، نیز غلط فہمیوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہوا، تب آپ نے لوگوں کو اس صحیفہ کی حدیثوں سے مطلع فرمایا لیکن جن کتابوں میں اس قسم کے واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے ان ہی جیسی کتابوں میں حضرت ہی کے متعلق ہمیں ایسی چیزیں بھی ملتی ہیں، ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ

ان علی بن ابی طالب خطب الناس	ایک دن (کوفہ) میں حضرت علی خطبہ دے رہے تھے
فقال من یشتری علما بدرھم	اسی خطبہ میں فرمایا کہ ایک درم میں کون علم خریدنا چاہتا

فاشترى الحارث الاعور صحفا بدرهم ثم جاء بها عليا فكتب له علماً كثيراً ص ۱۱۶ ج ۶

یعنی، حارث اعور ایک درہم میں کچھ کاغذ خرید کر لائے اور ان کاغذوں کو لئے ہوئے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت والا نے حارث کے لائے ہوئے اوراق میں بہت سا علم لکھ دیا۔

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں صراحۃً اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حارث کو حدیثیں لکھ کر دی تھیں، لیکن میں نے پہلے بھی کہیں ذکر کیا ہے اور یوں بھی جاننے والے جانتے ہیں۔ اس زمانہ کی اصطلاح ہی یہ تھی کہ "علم" کے لفظ کا زیادہ تر اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں ہی پر کیا جاتا تھا، اگر کل نہیں تو اس اصطلاح کی بنیاد پر اتنا تو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ اس میں کچھ حصہ حدیثوں کا بھی ضرور شریک ہوگا اور بات کیا صرف اسی حد تک محدود رہی، حجر[1] بن عدی جن کی شہادت کا قصہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کے واقعات میں خاص اہمیت رکھتا ہے ابن سعد نے ان ہی کے متعلق یہ لکھتے ہوئے کہ

كان ثقة معروفا ولم يروعن غير علي شيئا ص ۱۵۲ ج ۶

وہ بڑے معتبر مشہور آدمی تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوا اور کسی سے کوئی روایت انھوں نے نہیں کی ہے،

ان ہی کے متعلق یہ روایت بھی درج کی ہے کہ پانی سے استنجا کرنے کا ذکر ان کے سامنے ہوا

---

[1] امیر معاویہ کے زمانہ میں زیاد بن ابیہ جب عراق کا گورنر تھا حجر پر حکومت قائمہ کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا خود کوفہ کے لوگوں نے ان کے خلاف شہادتیں دیں زیاد نے ایک جماعت کے ساتھ جن پر بغاوت میں حجر کی رفاقت کا الزام تھا، امیر معاویہ کے پاس شام بھیج دیا، فیصلہ ان سب کے قتل کا امیر معاویہ نے صادر کیا، مشکیں کسے ہوئے مقتل میں سب لائے گئے حجر نے نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ لوگوں نے الزام لگایا کہ نماز میں قصداً دیر لگائی تاکہ جتنی دیر قتل سے بچ سکوں، قسم کھا کر بولے کہ آج تک وضو کرنے کے بعد اس سے زیادہ خفیف نماز میں نے کبھی نہیں پڑھی جلاد نے کہا کہ گردن بڑھاؤ۔ بولے کہ اپنے قتل پر اعانت نہیں کرسکتا، آخر شہید کردئے گئے حجر بن عدی کی جلالت شان کا اسی سے اندازہ کیجئے کہ کوفہ سے شام گرفتار کرکے بھیجے گئے اور یہ خبر مدینہ پہنچی تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی وقت امیر معاویہ کے پاس قاصد دوڑایا کہ حجر کو ہرگز ہرگز قتل نہ کرنا لیکن قاصد اس وقت پہنچا جب وہ شہید ہوچکے تھے۔ طبقات ص ۱۵۳ ج ۶

تو حجر نے کہا کہ

ناولنی الصحیفۃ من الکوۃ فقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا ما سمعت علی بن ابی طالب یذکر ان الطھور نصف الایمان ص۱۵۷

طاق میں جو صحیفہ (نسخہ) رکھا ہوا ہے ذرا اسے لا کر مجھے دو (جب لاکر دیا گیا) تو عدی یہ پڑھنے لگے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم" یہ وہ روایتیں ہیں جنہیں میں نے علی بن ابی طالب سے سنی ہیں ان ہی کو یہ بھی فرماتے تھے کہ طہور ایمان کا نصف ہے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنی ہوئی حدیثوں کا کوئی لکھا ہوا مجموعہ حجر بن عدی کے پاس بھی تھا اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے پاس بھی حضرت علیؓ کی حدیثوں کا کوئی مکتوبہ مجموعہ تھا عبدالاعلیٰ بن عامر کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

کل شئی یروی عبدالاعلیٰ عن ابن الحنفیۃ انما ھو کتاب اخذہ ولم یسمعہ ص۹۵

عبدالاعلیٰ محمد بن حنفیہ سے جو کچھ روایت کرتے ہیں وہ دراصل ایک کتاب تھی اور عبدالاعلیٰ نے براہ راست محمد بن حنفیہ سے ان روایتوں کو نہیں سنا تھا۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حالات جو رجال کی کتابوں میں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس بھی حدیثوں کا کوئی مکتوبہ مجموعہ تھا، فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگوں سے جو حدیثیں بیان کیا کرتا ہوں یہ

روایتہ رویناھا عن آبائنا (تہذیب التہذیب ص۱۰۳ ج۲)

یہ وہ روایتیں ہیں جو اپنے باپ دادوں سے ہم لوگ روایت کرتے ہیں۔

اور فرماتے کہ اپنے والد امام باقر کے حوالہ سے جن حدیثوں کو میں بیان کرتا ہوں

لہ بعضوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عامر بن جحی نامی شخص نے ابن الحنفیہ کی ان حدیثوں کو قلم بند کیا تھا عامر کو اگرچہ ابن حبان نے "ثقات" میں شمار کیا ہے لیکن عام طور پر محدثین کو اس شخص پر اعتماد نہیں ہے دیکھو میزان لسان المیزان وغیرہ۔

انما وجدتھا فی کتبہ۔ (تہذیب ج۲ ص۱۲۳) میں نے ان سب کو ان کے (امام باقر) کی کتابوں میں پایا۔

اگر مذکورہ بالا روایات پر اعتماد کیا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیثوں کے تین چار مجموعے لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے جن میں حارث اعور والا نسخہ تو براہ راست حضرت والا کے دست مبارک ہی کا لکھا ہوا تھا کچھ بھی ہو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوفہ پہنچنے کے بعد "تقلیل فی الروایتہ" کے اصول پر حضرت علیؓ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے اور روایتوں کی عمومیت کے جس دروازے کو ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں شدت کے ساتھ بند رکھنے کی کوشش کی گئی تھی وہ دروازہ کھل گیا آخر حارث والی روایت اگر صحیح ہے تو اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہیں کہ خود کاغذ منگوا کر آپ نے لکھا میں تو سمجھتا ہوں کہ ان دو صحابیوں یعنی عبداللہ بن عمرو بن عاص، اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوا حضرات صحابہ میں سے جن جن بزرگوں کی طرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے بھی رسول اللہ کی حدیثیں قلمبند کی تھیں یہ سارے قصے حضرت علیؓ کے طرز عمل کی تبدیلی ہی کے واقعات ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں یہ حکم دیا تھا کہ جس کسی کے پاس حدیثوں کا مکتوبہ مجموعہ ہو اس کو وہ ضائع کر دے ان دونوں بزرگوں نے اس کی تعمیل اپنے لئے ضروری خیال نہ کی جس کی وجہ ظاہر تھی کہ براہ راست رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کرنے کے بعد انھوں نے لکھا تھا، مگر انس بن مالک کا بیان جیسا کہ گذر چکا یہ تھا کہ لکھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملاحظہ میں اس کو پیش بھی کر چکا ہوں بہرحال ان دو استثنائی خاص واقعہ کے سوا اور جن جن صحابیوں کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی روایتیں قلمبند ہو چکی تھیں جن کا تفصیلی ذکر ابتدائی کتاب میں گذر چکا ہے، میرا خیال یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرز عمل کی تبدیلی سے ان صحابیوں میں اس کی جرأت پیدا ہوئی اور کیسی ہمت افزائی؟ کسی اور موقعہ پر بھی میں نے تذکرہ کیا ہے یعنی کوفہ میں خلیفہ ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دست راست آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عباس کے متعلق مغازی کے امام موسیٰ

بن عقبہ کہتے تھے کہ

وضع عندنا کریب (مولی عبداللہ بن العباس) حمل بعیر او عدل بعیر من کتب ابن عباس ص ۲۱۶ ج ۵

میرے پاس عبداللہ بن عباس کے غلام کریب نے ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں جو ایک یا نصف بار شتر تھیں۔

"حمل بعیر او عدل بعیر" (یعنی ایک بار شتر یا نصف بار شتر) یہ شک کس کی طرف سے ہے، ابن سعد نے اس کو واضح نہیں کیا ہے، شک کسی کی طرف سے ہو، مگر مان لیا جائے کہ کتب ابن عباس ایک بار شتر نہ سہی، اس کا نصف ہی سہی ان کی آنکھوں کے کھولنے کے لئے کیا کم ہے جو کہتے ہیں کہ سب سے پہلے زہری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں قلم بند کیں میں یہ مانتا ہوں کہ کتب ابن عباس کے اس ذخیرے میں اس کی تصریح نہیں کی گئی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا بھی کوئی مجموعہ تھا لیکن اس روایت کے آخر میں جب یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔

کان علی بن عبداللہ بن عباس اذا اراد الکتاب کتب الیہ ابعث الی الصحیفۃ کذا وکذا فینسخھا فیبعث الیہ باحدھما

حضرت عبداللہ بن عباس کے صاحبزادے علی کو (جب ابن عباس) کی ان کتابوں میں سے کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو لکھ بھیجتے کہ فلاں فلاں صحیفہ بھیج دو تو اس صحیفہ کی کریب نقل کرتے پھر نقل یا اصل کو علی بن عبداللہ بن عباس کے پاس بھیج دیتے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف عنوانوں اور مختلف مضامین پر مشتمل الگ الگ صحیفے "کتب ابن عباس" کے اس ذخیرے میں تھے بس اس میں اور کچھ ہو یا نہ ہو لیکن جب ہمیں معلوم ہے کہ ابن عباس ان صحابیوں کے پاس جاجا کر جو ان سے بڑے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں دریافت کرتے تھے اور صرف دریافت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ الکتانی نے ردبائی کی مسند سے بسند متصل یہ روایت ابن عباس ہی کے متعلق جو نقل کی ہے کہ

کان ابن عباس یاتی ابا رافع فیقول

ابن عباس کا حال یہ تھا کہ ابو رافع (رسول اللہ صلی اللہ

ما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم کذا ، مع ابن عباس من یکتب ما یقول ص۲۴۷ ج۲

علیہ وسلم کے مولیٰ (صحابی) کے پاس آتے اور کہتے کہ فلاں دن رسول اللہ نے کیا کیا اور ابن عباس کے ساتھ ایک شخص ہوتا جو ان ساری باتوں کو جنہیں ابو رافع بیان کرتے وہ شخص لکھتا چلا جاتا۔

اور اس میں تو خیر اسی قدر ہے کہ ابن عباس کا منشی حدیثوں کو لکھتا جاتا تھا، الکتانی ہی نے بحوالہ طبقات ابن سعد ابو رافع کی بیوی سلمیٰ کی یہ روایت جو نقل کی ہے کہ

رائیت ابن عباس معہ الواح یکتب علیہا عن ابی رافع شیئاً من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۲۴۷ الکتانی فی التراتیب الاداریہ

میں نے ابن عباس کو دیکھا کہ ان کے پاس تختیاں ہیں جن پر وہ ابو رافع کی بیان کی ہوئی ان روایتوں کو لکھا کرتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے متعلق ابو رافع بیان کرتے تھے۔

لہ سلمیٰ آنحضرت کی لونڈی تھیں، ابن سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے جتنے بچے پیدا ہوئے قابلہ کا کام سلمیٰ ہی نے انجام دیا تھا، اور ابراہیم علیہ السلام ماریہ قبطیہ کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے جب پیدا ہوئے تھے تو اس وقت بھی قابلہ سلمیٰ ہی تھیں ابو رافع جو دراصل حضرت عباس کے غلام تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عباس نے ھبہ کر دیا تھا ان کی شادی سلمیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی تھی اور ابو رافع کو آزاد کر دیا تھا ان کے لڑکے جن کا نام عبید اللہ بن ابی رافع تھا حضرت علی علیہ السلام کے کاتب (سکرٹری) تھے غلاموں کو یہ بلندیاں اسلام نے عطا کی تھیں اس موقع پر بے ساختہ سلمیٰ اور ابو رافع کا قصہ جس کا مسند احمد میں تذکرہ کیا گیا ہے یاد آگیا۔ سلمیٰ ایک دن روتی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکایت کی کہ ابو رافع نے بلا وجہ مجھے آج مارا ہے۔ ابو رافع بلائے گئے آنحضرت نے پوچھا کہ بھائی تم نے اس بے چاری کو کیوں مارا، ابو رافع نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے یہ ستاتی ہے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمیٰ سے دریافت کیا کہ تم نے ابو رافع کو کیا تکلیف پہنچائی سلمیٰ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ شخص نماز پڑھ رہا تھا اسی حال میں اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ اس پر میں نے کہا کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ریاح اگر خارج ہو جائے تو وضو کر لیا کریں بس اسی پر یہ شخص مجھے مارنے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میاں بیوی کے اس قصے کو سن کر ہنسنے لگے اور ابو رافع سے کہا کہ اس بے چاری نے تم سے اچھی بات تو کہی تھی۔ ص۲۷۲ مسند احمد ج۲

ظاہر ہے کہ کتب ابن عباس میں اور کچھ ہو یا نہ ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن حدیثوں کو انھوں نے خود قلم بند فرمایا تھا یا اپنے کاتب سے لکھوایا تھا ان کا ابن عباس کی ان کتابوں میں نہ رہنے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں۔

بہرحال کتب ابن عباس کا یہ ذخیرہ ہو یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق میں نے جو نقل کیا تھا کہ حسن ابن عمرو بن امیہ الضمری کو اپنے گھر لے گئے اور لکھی ہوئی حدیثوں کا جو سرمایہ ان کے پاس تھا اسے جب دکھایا تو حسن ابن عمرو کہتے تھے کہ

فارانا کتباً کثیرۃ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی لکھی ہوئی کتابیں دکھائیں۔

اور پھر ابوہریرہ کا یہ فرمانا کہ

قد اخبرتک انی ان کنت حدثتک به فهو مکتوب عندی (مقدمہ فتح الباری)

میں نے تم کو مطلع کیا تھا کہ تم سے جو کچھ بھی حدیثیں میں نے بیان کی ہیں وہ سب میرے پاس لکھی ہوئی ہیں۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن حدیثوں کو بیان کیا کرتے تھے جن کی تعداد پانچ ہزار سے اوپر بتائی جاتی ہے، یہ سب ان کے پاس لکھی ہوئی تھیں اس کے سوا اور بھی جن صحابیوں کے متعلق ذکر کر چکا ہوں کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی روایتیں قلم بند ہو چکی تھیں میرا خیال ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرز عمل کی تبدیلی کے بعد ہی کے یہ واقعات ہیں، آخر جب خود رسول کا خلیفۂ راشد اپنے دستِ مبارک سے لکھ لکھ کر لوگوں کو دینے لگا ہو تو دوسروں کو اس سے روکنے والی اور کون سی چیز ہو سکتی تھی، رہی وہ مصلحت جس کی وجہ سے عہد نبوت اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں حدیثوں کی کتابت اور عام اشاعت میں مزاحمت کی جاتی تھی اور خود حضرت علیؓ کو بھی اسی مسلک کی رعایت کرتے ہوئے شروع میں پایا جاتا ہے پھر کتابت و اشاعت کی اس عام اجازت اور اس کی ہمت افزائی کے بعد اسی خطرے

کے پیدا ہونے کا اندیشہ کیا باقی نہیں رہا تھا؟ مانا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں اور عہدِ نبوت میں نسبتاً کافی فاصلہ پیدا ہو چکا تھا، لیکن کتنا فاصلہ؟ پچیس سے تیس سال ہی تک کا تو فاصلہ؟ پھر کیا یہ بڑا فاصلہ تھا، آخر کچھ بھی ہو اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ خلافت راشدہ ہی کا زمانہ تھا ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ کی مکتوبہ چیزوں کے متعلق یہ خطرہ کہ آئندہ نسلوں میں غیر معمولی اہمیت ان روایتوں کو حاصل ہو جائے گی، اسی وجہ سے تو تھا کہ خلافتِ راشدہ کا وہ زمانہ تھا یعنی اسی خلافت راشدہ کا عہد جب حضرت علیؓ کے زمانہ تک موجود تھا تو اس خطرے کا احساس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کیوں نہیں ہوا؟

بلاشبہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے، اور اس کو پیدا کرنا چاہیے، میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی سوال کے اٹھانے سے بعض ایسے واقعات و حقائق لوگوں کے سامنے آجائیں گے جن کی طرف اس وقت تک بہت کم توجہ کی گئی ہے۔

اجمالی جواب تو اس سوال کا یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں یا اس کے بعد جو چیزیں لکھی گئیں پچھلی نسلوں میں ان کو وہ اہمیت جو نہیں حاصل ہوئی جس کا اندیشہ کیا جا سکتا تھا، آخر یہ تو ایک واقعہ ہے پھر وقوع سے پیشتر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی پیش آنے والے واقعہ کو اگر سمجھ لیا تو تاریخی رفتار نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو جن نقاط تک پہنچا دیا تھا ان کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت علیؓ تو خیر حضرت علیؓ ہی تھے میں تو سمجھتا ہوں کہ معمولی فہم و فراست رکھنے والے آدمی کے لئے اس کا اندازہ چنداں دشوار نہ تھا میں کیا کہنا چاہتا ہوں تفصیل اس کی یہ ہے میرے نزدیک تدوین حدیث کی تاریخ کی چند اہم منزلوں میں ایک بڑی اہم منزل یہ بھی ہے، پڑھنے والوں سے امید کرتا ہوں کہ ذرا زیادہ سنبھل کر اس تفصیل کا مطالعہ کریں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی روش میں یہ تغیر کوفہ تشریف لانے کے بعد ہی کرنا پڑا، اور یہ وہی زمانہ ہے جس سے کچھ ہی دن پیشتر یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری چند سالوں میں ایک عجیب و غریب اندرونی تحریک کے پھیلانے کی کوشش عام مسلمانوں میں جاری ہو چکی تھی، یوں کہنے کے لئے اس تحریک کے متعلق بیسیوں باتیں کہی جاتی ہیں لیکن جس چیز

نے اس تحریک کو عجیب و غریب چیز بنا دی تھی وہ اس کی اصلی روح تھی یعنی اس جوہری قوت کو قطعی طور پر ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا جو اسلام کی پشتیبانی اور نصرت کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد "صحابیت" کی شکل میں قدرت کی طرف سے جمع کر دی گئی تھی کھلی ہوئی بات تھی کہ اسی خداداد قوت کو لے کر پیغمبر آگے بڑھے تھے عرب کے دس لاکھ مربع میل پر پیغمبر کی زندگی میں جس اقتدار کے حاصل کرنے میں اسلام کامیاب ہوا تھا یا آپ کے بعد چند ہی سالوں میں روئے زمین کی سب سے بڑی سیاسی طاقت کا قالب اسلام نے اچانک جو اختیار کر لیا تھا یہ سب کچھ ہوا تھا خدا کی عطا کی ہوئی اسی قوت کے بل بوتے پر ہوا تھا اسلام کے بچے کھچے حریف، عرب کے مختلف گوشوں میں جو چھپے دبے تھے عہد عثمانی کے آخری زمانے کے ماحول کے بعض پہلوؤں کو اپنے پوشیدہ اغراض کی تکمیل کے لئے مناسب اور موزوں پا کر مخفی راہوں سے یہی ارادہ کر کے اٹھے کہ

"صحابیت"

کی اس قوت پر کوئی ایسی کاری ضرب لگائی جائے جس کے بعد اسلام کا دینی سرمایہ ہو، یا دنیوی خود بخود صفر بن کر رہ جائے گا۔ تحریک چلانے والے بڑے ہوش و گوش کے لوگ تھے، قیادت جنوب عرب (یمن) کے یہود کے ہاتھ میں تھی جو آغاز اسلام سے پہلے ہی اگرچہ اس علاقہ کی حکومت کھو چکے تھے لیکن پھر بھی ان کی ذہنی اور دماغی سطح عرب کے عام باشندوں سے بلند تھی، جو حکمراں قوم کی وراثت کا لازمی نتیجہ تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس تحریک کے چلانے کے لئے جس وقت کو ان لوگوں نے تاکا تھا اور جن لوگوں کا انتخاب، تحریک سے متاثر کرنے کے لئے کیا گیا تھا مختلف وجوہ سے تحریک کے قبول کرنے کی صلاحیت ان میں پائی جاتی تھی۔

میرا مطلب یہ ہے کہ کام کا آغاز جن لوگوں میں تحریک کے بانیوں نے کیا تھا، یہ زیادہ تر وہی لوگ تھے جو بادیۂ عرب سے نکل نکل کر مسلمانوں کی فوجی نو آبادیوں میں آکر مقیم ہو گئے تھے

یعنی بصرہ، کوفہ، شام و مصر میں جو نئی چھاؤنیاں قایم ہوئی تھیں، ان ہی میں یہ پھیلے ہوئے تھے اور گو شروع شروع میں ان چھاؤنیوں میں کافی تعداد ان بزرگوں کی بھی شریک تھی جن کے تزکیہ وتصفیہ اور تعلیم و تربیت کا کام براہ راست صحبت نبویہ میں انجام پایا تھا، لیکن جس زمانے میں اس منحوس تحریک کا آغاز ان چھاؤنیوں میں شروع ہوا اس وقت تک نبوت کی صحبت سے استفادہ کرنے والوں کی بڑی تعداد بتدریج دنیا سے رخصت ہو چکی تھی ابن خلدون نے ان فوجی نو آبادیوں کے صحابۂ کرام کا ان الفاظ میں تذکرہ کرنے کے بعد یعنی

لما تم استکمل الفتح و استکمل للملۃ الملک ونزل العرب بالامصار فی حدود ما بینھم وبین الامم من البصرۃ والکوفۃ والشام ومصر وکان المختصون لصحابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاقتداء بھدیہ وآدابہ المھاجرین والانصار من قریش واھل الحجاز ومن ظفر بمثل ذلک من غیرھم

جب فتح کی تکمیل ہو گئی اور ملت کا حکومت پر قبضہ کامل ہو گیا اور عرب کے لوگ ان الامصار (فوجی چھاؤنیوں) میں جا کر مقیم ہو گئے جو عربوں اور دوسری قوموں کے درمیان قایم کی گئی تھیں یعنی بصرہ، کوفہ، شام و مصر میں ان چھاؤنیوں میں وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ کی صحبت مبارک سے استفادہ کیا تھا اور آپ کی روش کی پیروی کی سعادت ان لوگوں کو میسر آئی تھی اور آپ کے طور وطریق کو اختیار کیا ان میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی۔ قریش اور حجاز کے بھی، نیز اور بھی جن جن لوگوں کو اس کا موقعہ ملا۔

آخر میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جن کی اکثریت کثیرہ سے یہ چھاؤنیاں بھری ہوئی تھیں لکھا ہے کہ

واما سائر العرب من بنی بکر بن وائل وعبد القیس وسائر ربیعۃ والازد وکندۃ وتمیم وقضاعۃ

لیکن باقی عرب کے لوگ جو بنو بکر بن وائل اور قبیلہ عبد القیس اور ربیعہ قبیلہ کی شاخوں سے تعلق رکھنے والے اور قبیلہ ازد، قبیلہ کندہ قبیلہ تمیم قبیلہ قضاعہ وغیرہ

وغیرھم فلم یکونوا من تلک الصحبۃ — کے لوگ سوان کو صحبت نبویہ سے حصہ بجز چند معدودے
بمکان الا قلیلا منھم صـ۱۳۰ ج۲ تاریخ ابن خلدون — افراد کے کسی کو میسر نہ آیا تھا۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا سازشی تحریک نے ان چھاؤنیوں میں جس زمانہ میں سرنکالا ہے اس وقت زیادہ تر ان میں ان ہی قبائل کے افراد کی کثرت ہوگئی تھی، جن کے متعلق ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بجز معدودے چند لوگوں کے نبوت کی صحبت سے ان کو کوئی حصہ نہ ملا تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ عمرو بن معدی کرب یا بشر بن ربیعہ جیسے لوگ جن کا نام بڑے اہم معرکوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ یرموک اور قادسیہ کے جو سورما سمجھے جاتے ہیں حافظ ابن حجر نے اصابہ میں سابق الذکر یعنی عمرو بن معدی کرب کے حال میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ قرآن میں ان کا امتحان لیا گیا اور پوچھا گیا کہ تمہیں کچھ قرآن بھی یاد ہے، تو نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ

شغلت بالجھاد عن حفظہ — جہاد کی مشغولیت نے مجھے قرآن یاد کرنے نہ دیا

اسی طرح دوسرے صاحب بشر بن ربیعہ سے بھی جب یہی سوال کیا گیا تو حافظ ابن حجر ہی نے نقل کیا ہے کہ صرف "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سنا کر چپ ہوگئے جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ کے سوا اور کوئی چیز قرآن کی اس بندہ خدا کو یاد نہ تھی[۱]۔

جب عمرو بن معدی کرب اور بشر جیسی ممتاز ہستیوں کا یہ حال تھا جو حافظ کی زبانی آپ نے سنا اسی سے سمجھ سکتے ہیں کہ بادیۂ عرب کے ان عام صحرائی سپاہیوں کی کیفیت کیا ہوگی اور اس حد تک تو پھر بھی غنیمت ہے، عہد عثمانی کے آخری دنوں کی روئیداد میں ان چھاؤنیوں کی تاریخ میں جب ہم پڑھتے ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ گو صحرائے عرب کے یہ سارے بدو مسلمان ہو ہو کر فوج میں شریک ہوگئے تھے لیکن ان میں بہت سی بددیانہ عادتیں اب بھی باقی رہ گئی تھیں یا دب جانے کے بعد ابھر آئی تھیں۔ سچ پوچھئے تو اس سازش کے شکار ہونے میں زیادہ دخل ان ہی علمی و کرداری کمزوریوں

---

[۱] دیکھو اصابہ صـ۲۱ ج۱ اسی کتاب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ جنگی خدمات کے لحاظ سے ان دونوں کی حیثیت کتنی نمایاں تھی۔ عمرو بن معدی کرب کے متعلق تو لکھا ہے کہ قادسیہ کا مشہور فیصلہ کن معرکہ جو ایرانیوں اور مسلمانوں میں پیش آیا
(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

کو تھا جن میں الامصار کی یہ عمومیت مبتلا تھی۔ بلکہ کاروائی کی ابتدا ان ہی لوگوں سے کی گئی جن میں نمایاں طور پر اس قسم کی کمزوریاں پائی جاتی تھیں۔

لیکن جو اصل مقصد تحریک کا تھا یعنی صحابیت کی قوت کا بالکلیہ اختتام اس نتیجہ تک ان لوگوں کو بھی کھینچ کر لے آنا آسان نہ تھا کیونکہ کچھ بھی ہو بہرحال وہ مسلمان ہو چکے تھے پیغمبر کو خدا کا سچا پیغمبر اور اسلام کو خدا کا سچا دین مان چکے تھے خیال تو کیجئے کہ ان ہی کو یہ باور کرانا کیا آسان تھا کہ صحابیت کی یہ ساری قوت اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت پر خرچ ہوتی رہی ان صحابیوں میں نہ کوئی اسلام ہی کا دوست تھا اور نہ اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں کوئی اخلاص و عقیدت کا تعلق رکھتا تھا وہ مسلمان نہ بھی ہوتے جب بھی صرف انسان ہی ہونا ان کا اس عجیب و غریب پیش کش کو مسترد کر دینے کے لئے کافی تھا جس کے اتارنے کا ارادہ ان کے قلوب میں کیا گیا تھا دن نہیں ہے رات ہے، زمین ہی آسمان ہے اور آسمان کو غلط فہمی سے لوگ آسمان سمجھ رہے ہیں ورنہ درحقیقت وہی زمین ہے، سفیدی سفیدی نہیں سیاہی ہے چار کا عدد چار نہیں تین ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کے بدیہی البطلان دعوؤں کو جب تک آدمی ہے اور آدمی کے احساسات رکھتا ہے کیا ایک لمحہ کے لئے قابل فکر و تامل بھی قرار دے سکتا ہے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس میں عمرو کو دیکھا جاتا تھا کہ ایرانی سپاہیوں کو گھوڑوں کی پیٹھ سے اس طرح اٹھا لیتے تھے جس طرح چھوکریوں کو کوئی اٹھا لے اور دونوں صفوں کی بیچ میں لاکر ان کو اس طرح کاٹ کر رکھ دیتے کہ گویا گاجر و مولی کاٹی گئی۔ کاٹ کر کہتے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہئے یرموک میں بھی عمرو بن معدی کرب کا نام نمایاں نظر آتا ہے پرخوری میں بھی خاص شہرت رکھتے تھے، یہی حال بشر کا ہے "بشر" کی عظمت کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ کوفہ کا ایک محلہ ہی ان کے نام "جبانۂ بشر" کے نام سے موسوم تھا، قادسیہ کے ابطال میں شمار ہوتے ہیں اس جنگ کو جیت لینے کے بعد حضرت عمر کی خدمت میں جو قصیدہ انھوں نے لکھ بھیجا تھا اس کے دو شعروں کا ترجمہ یہ ہے

؎ یاد کیجئے خدا آپ کو ہدایت کرے اس دن کو جب قادسیہ کے دروازہ پر ہماری تلواریں چمک رہی تھیں اور لوگوں کے دل سینوں سے اڑے چلے جاتے تھے ایک ٹڈی دل فوج کو ختم کرکے دوسرے دستہ کی طرف ہم بڑھے چلے جاتے تھے جو پہاڑ کی طرح ہماری طرف بڑھا آتا تھا وہی دن جب ہر ایک چاہتا تھا کہ کاش! پرندوں سے بازو مستعار لے کر وہ اڑ جاتا۔